بار اوّل ۳۳۰۰

سلسلہ نمبر 54

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً (رواہ البخاری)

ماخوذ

مواعظ حکیم الامت (محشی)

جلد ۲

وعظ

الاستغفار

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور نمبر ۱۸

فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۷۲۸ کامران بلاک: ۵۴۱۸۰۶۰ ۵۴۲۲۲۱۳

ستمبر ۱۹۹۸ء

جمادی الاوّل ۱۴۱۹ھ

سلسلۂ تبلیغ ۵۴

باراول ۳۳۰۰

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ اٰیَۃً (رواہ البخاری)

وعظ

الاستغفار

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر

شعبۂ نشرواشاعت جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران مارکیٹ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

ستمبر ۱۹۹۸ء

فون کامران بلاک: ۵۴۲۲۲۱۳-۵۴۲۰۶۰۸ فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۲۴۸۰

الاستغفار

صفحات	عنوانات	نمبر شمار
	الاستغفار	

الاستغفار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیّئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضلّ لہ و من یّضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لآ الہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیّدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ و بارک وسلم.

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم. یا قوم استغفروا ربّکم ثمّ توبوا الیہ یرسل السّماء علیکم مدراراً وّ یزد کم قوّۃً الی قوّۃ کم ولا تتولّوا مجرمین[1].

ترجمہ: اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارش برساوے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دے کر تمہاری (موجودہ) قوت میں ترقی کردے گا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایمان سے) اعراض مت کرو ۱۲)

---

[1] سورۂ ھود آیت: ۵۲

تمام پریشانیوں کا علاج

اس آیت کریمہ کا مضمون ہود علیہ السلام کا خطاب ہے اپنی قوم کو حق تعالیٰ نے اس مقام پر اس کو نقل فرمایا ہے اس آیت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہر چند کہ ہماری ہر حالت ایک سے ایک زیادہ ایسی ہی ضروری ہے کہ اس کے متعلق بیان کیا جاوے تاہم بعض حالت کا اقتضاء[1] یہ ہوتا ہے کہ اس کے اشتراک اور عموم[2] کی وجہ سے مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اس کے متعلق اہم سمجھ کر بیان کیا جاوے اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ کم و بیش[3] سب پریشانی میں مبتلا ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جاوے کہ اس میں معالجہ ہے تمام پریشانیوں کا ترجمہ سے معلوم ہوگا کہ وہ کیا مضمون ہے اور نیز معلوم ہو جائے گا کہ اس کی ضرورت ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔ **یا قوم استغفروا ربکم الخ** (اے میری قوم اپنے گناہوں کی اپنے رب سے معافی مانگو) الخ

امم سابقہ[4] کو خطابات الٰہی ہمارے لیے بھی حجت[5] ہیں

یہاں پر شبہ نہ کیا جاوے کہ ہم لوگ تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم کو ہود علیہ السلام کا ارشاد سنانے سے کیا فائدہ اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ امم سابقہ کے احکام[6] بلا انکار[7] اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو سناویں تو وہ ہمارے لیے بھی حجت ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اصول یعنی عقائد اور اخلاق حمیدہ کے مامور بہ ہونے میں سب انبیاء کا ایک مشرب[8] ہے اس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں مثلاً توحید

۱۔ تقاضا ۲۔ سب لوگوں کے اس میں شریک ہونے اور اس کے عام ہونے کی وجہ سے ۳۔ تقریباً ہی ۴۔ پہلی امتیں ۵۔ دلیل ۶۔ پہلی امتوں کے احکام ۷۔ بغیر انکار ۸۔ اچھے اخلاق کا حکم دیا ہوا ہوتے ہیں سب انبیاء کا ایک ہی مذہب ہے

رسالت کا اعتقاد ظلم کا برا ہونا عدل کا مستحسن[۱] ہونا سچ بولنا یہ بالاتفاق مسلم[۲] ہیں اسی فہرست میں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا بھی ہے جس کا اس آیت میں بیان ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کی نقل کے بعد انکار نہیں فرمایا اور نیز یہ ان اعمال سے ہے کہ جن کا مامور بہ[۳] ہونا تمام شرائع میں یکساں رہا ہے تو لامحالہ ہم بھی اس کے ضرور مخاطب ہوں گے رہی یہ بات کہ اگر اس مضمون کو بیان ہی کرنا تھا تو حضور ﷺ کا کوئی ارشاد نقل کر دیا جاتا۔ حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد کیوں نقل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص مصلحت ہے وہ یہ کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہو جاوے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قابل ہے اس لیے کہ قوم عاد بہت پرانی قوم ہے پس جبکہ وہ بھی اس مضمون کے مخاطب ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء اپنی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں۔

اصلاح کے دو درجے

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ خلاصہ ارشاد کا اصلاح کے دو درجے ہیں اول اپنے گناہ معاف کرانا اس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ[۴] متوجہ ہونا اس پر کیا ثمرہ مرتب ہوگا[۵] یرسل السماء الخ یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دنیا میں تم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اندر اور قوت بڑھاویں گے قوم عاد قوت کے اندر مشہور ہیں، آگے ارشاد ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو[۶] جرم کرتے

۱۔ اچھا ۲۔ سب کے نزدیک بہتر ہے ۳۔ حکم کیا ہوا ہونا ۴۔ فرمانبرداری کے ساتھ ۵۔ کیا نتیجہ مرتب ہونا
۶۔ منہ مت پھیرو

ہوئے، یہ آیت کا ترجمہ ہوا ترجمہ سے مضمون کی اجمالی تعیین ہو گئی ہو گی کہ اس کے دو جز ہیں اول مغفرت مانگنا دوسرے طاعت کی طرف رجوع کرنا۔ خلاصہ حاصل یہ ہے کہ آیت میں دو مامور بہ[1] ہیں استغفار اور رجوع الی الطاعۃ اور دو اس کے ثمرے ہیں[2]۔

اصلاح کے دو ثمرات

اور دو اس کے ثمرے ہیں، بارش ہونا اور قوت بڑھ جانا اور کمزوری اور ضعف کا جاتا رہنا اور ایک منہی عنہ ہے وہ مجرم ہو کر اعراض کرنا ہے[3] ہود علیہ السلام نے جو اس میں فرمایا باعتبار مقصود ایراد کے[4] یہ در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا ہم کو ارشاد ہے گویا اللہ تعالیٰ ہم کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم کو کسی قسم کی شکایت قحط کی یا کمزوری یا ادبار یا تنزل کی ہو تو اس کی تدبیر اور اس کا علاج وہ ہے جو ہم نے بتلایا ہے اور وہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ یہ حاصل ہے اس مقام کا۔

استغفار کے بیان کی ضرورت

ترجمہ سے مضمون کی تعیین اور حاصل سے اس کی ضرورت کا علم ہو گیا ہو گا کہ اس مضمون کی کیا ضرورت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مسلمانوں کو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ پریشان ہیں اور یوں تو ہر شخص کو خاص خاص پریشانیاں ہیں مگر ایک عام پریشانی اور مشترک و مدید شکایت تو تنزل اور پستی کی ہے[5] کہ یہ پرانی

۱۔ دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ۲۔ اور دو اس کے نتیجے ہیں ۳۔ ایک چیز سے روکا گیا ہے وہ مجرم بن کے منہ موڑنا ہے ۴۔ ہود علیہ السلام کا فرمانا ایک مقصود کو بیان کرنے کے مترادف ہے ۵۔ مگر ایک عام پریشانی اور مشترک و مستقل شکایت تو مسلمانوں کی حالت گرنے اور پستی کی ہے

شکایت ہے دوسرے جدید پریشانی قحط اور قلت باراں[۱] کی ہے۔ یہ دو پریشانیاں اس وقت ہم سب کو عام ہیں اس لیے ان کا انتظام ضروری ہے کیونکہ انسان کو جو مصیبت لاحق ہوتی ہے عقل اس کو مقتضی ہے کہ اس کی تدبیر کرے اور تدبیر بھی وہ جو صحیح تدبیر ہے۔

مصائب کی شکایت یا تذکرہ کافی نہیں

ہمارے بھائیوں کی یہ حالت ہے کہ بعضے تو ان سے ایسے جواں مرد ہیں کہ تدبیر کی پرواہ ہی نہیں کرتے اور بعضے جو کچھ کرتے بھی ہیں وہ الٹی تدبیر کرتے ہیں بس یہ کہنا صحیح ہے کہ بالکل تدبیر کرتے ہی نہیں چنانچہ بعضے تو صرف یہ کرتے ہیں کہ بس شکایت کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ امسال[۲] ایسی خشکی ہوئی ہے کہ مویشیوں[۳] کو چارہ تک نہیں ملتا ہے بھوکے مر رہے ہیں کوئی کہتا ہے اس فصل میں بارش نہ ہوئی تو گرانی بہت زیادہ ہو جائے گی جو ذرا دیندار ہیں وہ کہتے ہیں کہ میاں یہ سب ہماری شامت اعمال ہے مگر اصلاح وہ بھی نہیں کرتے جو اصطلاح جدید ذرا مہذب ہیں وہ ترقی و تنزلی پر لیکچر دیتے ہیں۔ کوئی بیماری کی شکایت کرتا ہے۔ میرے پاس بھی خطوط آتے ہیں کہ بعض جگہ بیماری شروع ہو گئی ہے کوئی کہتا ہے کہ خیر بھائی ہمارے یہاں تو گویا بالکل بے فکرے ہی ہو گئے یہ اور بھی غضب ہے یاد رکھو کہ جیسے تمہارے یہاں بیماری ہونا اندیشہ ناک ہے اسی طرح تمہارے آس پاس ہونا یہ بھی خوفناک ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان دونوں سے خوف دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے ولایزال الذین کفروا

۱۔ قحط اور بارش کی کمی کی ہے یہ دو آفتیں اس وقت تھیں آج بھی اگر اس قسم کی کوئی آفت آئے اسکا یہی علاج ہے جو ذکر کیا جائیگا ۱۲ ج ۲۔ اس سال ۳۔ جانوروں

تصیبھم بما صنعوا قارعة او تحل قریباً من دارھم. (اور یہ (مکہ کے) کافر تو ہمیشہ (آئے دن) اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے (بد) کرداروں کے سبب ان پر کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے)

پس ہمارے شہر میں بیماری کا ہونا جیسے خوفناک ہے اسی طرح ہمارے ضلع میں ہونا یا ہماری کمشنری میں ہونا یا ہمارے ملک میں ہونا بھی خطرناک اور فکر کی بات ہے غرض دو شکایتیں اس وقت غالب ہیں ایک بیماری و قحط وغیرہ کی اور دوسری قوم کے ذلیل اور روز بروز کمزور ہوتے جانے کی اور باقی خاص خاص شکایتیں یا خاص خاص بیماریوں کی شکایتیں وہ تو معمولی طور پر رہتی ہی ہیں مگر اس وقت غالب اور مشترک آفات کے متعلق عرض کرتا ہوں اور مجھ کو اس میں دو جماعتوں کی شکایت ہے اول شکایت تو عام لوگوں کی ہے اور دوسری مہذب لوگوں کی ہے جو کہ بیدار مغز[1] کہلاتے ہیں۔

بلاؤں سے نجات کی صحیح تدبیر

میں کہتا ہوں کہ یہ پریشانیاں سب صحیح اور واقعی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی کوئی تدبیر بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو میں مطلق تدبیر کے متعلق پوچھتا ہوں کہ کس چیز کی ارجح وانفع[2] تدبیر کون سی ہوتی ہے آیا وہ تدبیر جو عقلاء محض استدلال[3] سے تجویز کریں یا وہ جو کوئی تجربہ کار بعد تجربہ کے تجویز کرے سو بڑا فرق ہے عاقل کی تجویز اور تجربہ کار کی تجویز میں چنانچہ مثل ہے۔

سل المجرّب ولا تسئل الحکیم. (تجربہ کار سے دریافت کرو

۱۔ سمجھدار ۲۔ سب سے راجح اور نفع والی تدبیر کونسی ہے ۳۔ دلیل لانا

عاقل سے مت پوچھو) عاقل کی تجویز تو محض تخمینی[1] رائے کی طرف مستند[2] ہوتی ہے اور تجربہ کار کی تجویز تکرار مشاہدہ سے ناشی[3] ہوتی ہے اور ثانی[4] کی ترجیح اول پر ظاہر ہے بس جبکہ تجربہ کار کا علم، حالانکہ وہ بھی استدلالی ہے حکیم کے علم پر ترجیح دیا جاتا ہے تو عالم الغیب والشہادۃ[5] کا علم کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا اور اس سوال کے جواب میں یوں کیوں نہیں کہا جاتا کہ حق تعالیٰ سے اس کی تدبیر پوچھو خاص کر جو عالم اور حکیم سب کچھ ہیں اگر کسی مرض کا نسخہ عطا فرمادیں تو کیوں اس کو استعمال نہیں کیا جاتا اس دوا سے بڑھ کر اور کون سی دوا ہوگی جو مرض اور دوا کے خالق سے عطا ہو عقلاء اور اہل الرائے تو محض تخمین[6] اور رائے اور قیاس ہی سے کہتے ہیں کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مثلاً طاعون ہی ہے اس کی دوائیں اور تدبیریں محض ظنی ہیں ان کی نافعیت[7] کا اور ان کے استعمال کرنے کا مخالف نہیں ہوں یہ اطباء کی ہی عادت ہے کہ جس طبیب کا علاج کرو دوسرا نسخہ پینا اس کے نزدیک جائز نہیں اور حق تعالیٰ کو یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل تھا کہ وہ یہ فرمادیتے کہ جو ہم نے دوا اور تدبیر بتلائی ہے اس کو ہی استعمال کرو خصوصاً اس صورت میں جبکہ تدبیر صحیح کا انحصار بھی اسی میں ہے لیکن ان کی یہ رحمت ہے کہ اور تدبیروں کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا اس لیے میں تدبیر ظنیہ مجوزہ عقلاء کا مخالف نہیں[8]

سچی طب کی طرف توجہ کی ضرورت

بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ صرف تدابیر ظاہری اور طب کے ایسے پیچھے

۱۔ اندازے سے ۲۔ سند یافتہ درست ۳۔ تجربہ کار کی تجویز بار بار مشاہدہ کرنے کے بعد پیش کی جاتی ہے ۴۔ دوسری کی پہلی پر وجہ ترجیح ظاہر ہے ۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ ۶۔ صرف اندازے سے ۷۔ فائدہ مند ہونا ۸۔ اہل عقل کی تجویز کردہ تخمینی تجویز کا مخالف نہیں ہوں

کیوں پڑے ہو کہ صحیح تدبیر اور سچی طب کو بالکل ہی بھول گئے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں ۔۔۔ حکمت ایمانیاں راہم بداں

صحت ایں حس بجوئید از طبیب ۔۔۔ صحت آں بجوئید از حبیب

صحت ایں حس زمعموری تن ۔۔۔ صحت آں حس ز تخریب بدن

(یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی تو پڑھو۔ حس جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اگر حس روحانی کو ترقی منظور ہو تو مرشد کامل سے رجوع کرو۔ حس جسمانی سے تو بدن کی درستی ہوتی ہے اور حس روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے۔

پس جو طب حکیم حقیقی نے ارشاد فرمائی ہے بالکل کافی ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی اجازت دے دی ہے کہ اور نسخہ بھی پیو تو حرج نہیں بلکہ ترغیب دی ہے تداووا عباداللہ (اللہ کے بندوں سے علاج کراؤ)

ترک اسباب[۱] علی الاطلاق جائز نہیں

جس کی حقیقت اہل اللہ و مربیان قلب نے سمجھی چنانچہ انہوں نے ترک اسباب کو علی الاطلاق جائز نہیں رکھا یہاں سے وہ شبہ بھی رفع[۲] ہو گیا جو کہ بہت لوگ ناتمام باتیں سن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مولوی تو چاہتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار ترک کر کے مسجد کے کونہ میں تسبیح لے کر بیٹھ جاویں حاشا وکلا[۳] مولویوں کا یہ مقصود ہرگز نہیں بلکہ تم اگر ایسا کرو بھی تو وہ تم کو روک دیں کیونکہ آدمی بالطبع اسباب ظاہرہ کا خوگر[۴] بنایا گیا ہے پس اگر اسباب کو ترک کرے گا

۱۔ اسباب اختیار نہ کرنے کو مطلق جائز قرار نہیں دیا ۲۔ دور ۳۔ ماقبل کی نفی سختی سے کرنے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہے جو تمہارا خیال ہے ۴۔ عادی

تو اس کی جمعیت و سکون میں ضرور فرق پڑے گا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک طبیب کامل ہے اس کو مریض کے حال پر بہت عنایت اور شفقت ہے اس نے مریض کو نسخہ لکھ کر دیا لیکن وہ طبیب یہ بھی جانتا ہے کہ اس مریض کو ضعف اور توہم[1] کی وجہ سے اس پر قناعت نہ ہوگی اور اس کو خیال رہے گا کہ فلاں دوا اگر پیتا تو جلدی کامیاب ہوجاتا اور یہ اس کی دھن اور ادھیڑ پن ممکن ہے کہ اس حد تک ہو کہ اصلی دوا سے بھی اعراض کرے اس لیے وہ براہ عنایت اس کی تسلی کے واسطے کہہ دیتا ہے کہ دوا تو اس مرض کی یہی ہے جو ہم نے بتلائی ہے لیکن اگر تم کوئی اور دوا بھی پیو تو تم کو اختیار ہے تو اس مریض کو اگرچہ شفا اور صحت تو اسی باقاعدہ اور صحیح نسخہ سے ہوگی اور مریض خواہ کچھ سمجھے لیکن طبیب کو چوں کہ شفقت اور محبت ہے وہ اپنا نام بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا مقصود تو یہ ہے کہ اس کو صحت ہوجائے۔ وہی مثل ہے کہ کام تو کسی کا اور نام کسی کا۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

(مشک افشانی تیری زلفوں کا کام ہے لیکن مصلحتاً عشاق نے چین کے ہرنوں پر الزام لگادیا ہے)

پس اسی طرح حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے بندے کسی طرح اچھے ہوجائیں چاہے وہ حکیم جی ہی کا نام کردیں اور ان کو پریشانی نہ ہو پس یہ وجہ ہے کہ ترک اسباب کو منع کردیا ورنہ وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها . (اور کوئی (روزی کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ سب اسباب ترک کردیتے اور

۱۔ کمزوری اور وہم ہونے کی وجہ سے اس نسخہ پر اکتفا نہ کریگا

تجارت زراعت نوکری صنعت یک لخت چھوڑ دیتے ہاں اقویاء[۱] کو اجازت دی ہے کہ اگر تم ترک اسباب کرو تو جائز ہے اس لیے کہ ان کو ترک اسباب سے اپنی قوت توکل کی وجہ سے پریشانی لاحق نہ ہوگی باقی ضعفاء[۲] کو یہی حکم ہے کہ تدبیر کرو ایک صحابی کا قصہ ہے کہ ان سے تخلف تبوک لغزش[۳] ہوگئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے اس کے شکریہ میں میں چاہتا ہوں کہ اپنا سب مال تصدق کردوں فرمایا نہیں۔ سب مت دو کچھ رکھ لو۔

اسلام نے جذبات طبیعیہ کی بہت رعایت کی ہے

اس قصہ سے اور نیز شریعت کے ہر ہر حکم سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شریعت نے جذبات طبیعیہ کی بڑی رعایت کی ہے اور اسلام کے سب احکام فطرت سلیمہ کے موافق ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ میں اپنی جائیداد وقف کرنا چاہتی ہوں حضرت نے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسا نہ کرو کچھ رکھ لو نفس کو کبھی پریشانی ہوجایا کرتی ہے۔ پھر وہ پریشانی دین تک مقتضی ہوتی ہے حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا کہ درہم و دینار رکھنا تقویٰ و توکل کے خلاف تھا اب تو اگر کسی کے پاس کچھ مال ہو تو اس کو حفاظت سے رکھنا چاہیئے کہ کم ہمت انسان جب مفلس ہوتا ہے تو اوّل اس کا دین ہی برباد ہوتا ہے بعض بزرگوں نے رزق ملنے کی عجیب طریقہ سے دعائیں مانگی ہیں۔

۱۔ باہمت لوگوں کو ۲۔ کمزوری کو ۳۔ غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے بوجہ سستی کے پھر اس سے توبہ کرلی تھی

ایک بزرگ کا قصہ

چنانچہ ایک بزرگ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے ایک دم سے دے دو ارشاد ہوا کہ کیا ہم پر اطمینان نہیں عرض کیا کہ اطمینان کیوں نہیں شیطان مجھ کو بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دے گا وہ کہتا ہے کہ یہ تو یقینی ہے کہ دے گا مگر یہ تو خبر نہیں کہ کب دے گا اس سے میں پریشان ہوتا ہوں آپ مجھ کو اگر ایک دم سے دے دیں گے تو میں کوٹھڑی میں بند کر کے رکھ لوں گا جب شیطان کہے گا کہ کہاں سے کھائے گا میں کہہ دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا وہ اس میں کوئی شبہ نہ ڈال سکے گا۔ اور پریشان نہ کر سکے گا۔

کیفیات مطلوب بالذات نہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلوک میں خاص کیفیات مثلاً باوجود مال نہ ہونے کے پریشانی نہ ہو سو یہ مطلوب نہیں اگر مال رکھ کر جمعیت[۱] اور تسلی ہو تو رکھے اور اگر خرچ کر کے اطمینان حاصل ہو تو خرچ کر دے بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کی ملک میں بہت سی چیزیں ہوں تو ان کا دل گھبراتا ہے بہر حال اس باب میں سے دوا دارو کی بھی اجازت ہے لیکن دوا کو مؤثر بالذات[۲] نہ سمجھے کہ بغیر اس کے شفا ہی نہ ہو گی بہت لوگ ہم نے دیکھے ہیں کہ دوا بالکل نہیں کرتے ہیں۔

تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا کافی ہے

جلال آباد کے ایک رئیس سنے گئے حکیم کو بلاتے گاڑی بھیجتے فیس دیتے

۱۔ دل مطمئن رہے ۲۔ اپنی ذات کے اعتبار سے اثر کرنے والی نہ سمجھے بلکہ اللہ کے حکم سے اثر کرنے والی خیال کرے

اور حکیم جی سے کہتے کہ آپ بلا تامل جتنے کا چاہیں نسخہ لکھیے دس کا بیس کا پچاس کا چنانچہ حکیم جی نسخہ لکھ دیتے ملازم کو دیتے کہ جاؤ بھائی دکھلاؤ عطار کو کتنے کا ہے عطار کہتا کہ پچیس روپیہ کا ہے کہتے لاؤ صندوقچی سے پچیس روپے گن کر دیتے کہ جاؤ خیرات کردو مساکین کو میری یہی دوا ہے چنانچہ جب یہ عمل کرتے فوراً اچھے ہوجاتے ہمارے ایک دوست ہیں وہ بھی دوا نہیں کرتے اس مرتبہ وہ سخت بیمار ہوئے ہر چند ان کو سمجھایا گیا کہ علاج کرو مگر ایک نہ سنی آخر لوٹ پوٹ چند روز کے بعد اچھے خاصے ہوگئے معلوم ہوا کہ تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا بالکل کافی ہے اگر کوئی کہے کہ اگر تدبیر حقیقی یہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعضے لوگ نری دوا سے اچھے ہوجاتے ہیں۔

صاحبو! تم سمجھتے ہو کہ وہ اچھے ہوگئے وہ اچھے نہیں ہیں ایک بخار تو چلا گیا اس کو ایک بخار اور ہے جو اس کے لیے روح فرسا بن[1] رہا ہے جس کا انجام ہلاک جسمانی ہی نہیں بلکہ ہلاک ابدی ہے۔ اصلی تدبیر طاعت ہی ہے اس کے ہوتے ہوئے دوا کی اجازت ہے پس جمع کرنا جائز اور نری طبعی تدبیر پر اکتفا کرنا ناجائز ہم لوگ اسی میں مبتلا ہیں کہ اور تدابیر سب کرتے ہیں اور اصلی تدبیر سے غافل ہیں۔

ازالہ طاعون کے لیے تعویذات کو کافی سمجھنا غلطی ہے

سو طاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور فنائل ہی کافی نہیں ہے بلکہ دوسری صفائی بھی ضروری ہے اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بد مذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کردو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائے گا۔ یہ ان سے بڑھ کر ہیں جو دوا پر اکتفا کرتے ہیں

۱۔ جان لیوا

کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہوجانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانے کے لیے تو اس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی و حقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اس پر اتنا اعتقاد رکھنا بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی ان کو شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پٹہ لکھوالیا ہے صاحبو! طاعون تو جب بھاگے جبکہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہے معصیت[۱] کیونکہ طاعون ہو یا کوئی اور مصیبت ہو اس کا اصلی سبب تو معصیت ہے۔

ہر بلاو مرض کا اصلی سبب

پس جب معصیت بحالہ[۲] رہے تو دشمن تو تمہارے گھر کے اندر ہے باہر کے انتظام سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود

حیلۂ فرعون زیں افسانہ بود

(دروازہ بند کرلیا لیکن دشمن گھر کے اندر تھا۔ فرعون کا حیلہ محض افسانہ تھا ۱۲)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ فرعون نے اپنے دشمن کو یعنی موسیٰ علیہ السلام کو گھر کے اندر رکھا اور ان کو پرورش کیا اور دشمنوں کا انتظام کرتا تھا صاحبو! لوگ باوجود اصلاح نہ کرنے کے جو تدبیر کر رہے ہیں یہ فرعونی تدبیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی جو اصلی سبب ہے، پریشانیوں کا اس کو چھوڑتے نہیں اور بالائی تدبیریں[۳] کرتے ہیں یاد رکھو جب تک کہ مرض کے اصلی سبب کا

۱۔ گناہ نافرمانی ۲۔ جب نافرمانی اپنے حال پر رہے ۳۔ اوپر کی تدبیریں

استیصال[1] نہ کیا جاوے مرض نہ جائے گا پس جب تک کہ معصیت نہ چھوڑیں گے ان بلاؤں سے خلاصی[2] نہیں ہو سکتی سو اس سبب کی طرف کسی کو التفات تک بھی نہیں آپ ہی بتلائیے فیصدی کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو اس کا احساس ہو اور وہ تدبیر کرتے ہوں ہاں ظاہری تدبیریں کرتے ہیں لیکن اصلی تدبیر سے غفلت ہے اور بعضے کوئی تدبیر بھی نہیں کرتے۔

امساک باراں کی تدبیر

دیکھئیے آج کل بارش کی کمی ہے بتلائیے اس کے لیے کیا تدبیر کی ہے طاعون میں تو خیر کچھ کرتے بھی ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تدبیر کو منحصر سمجھ لیا ہے اپنی وہمی اور ظنی تدبیروں اور اسباب میں اور طاعون کے کچھ ظاہری علاج بھی ہیں اس لیے اس کی تدبیر تو کر لی اور بارش برسنے کا کوئی طریقہ کسی کو یاد نہیں اس لیے اس سے عاجز ہیں بڑے بڑے مدبر اور عقلاء موجود ہیں لیکن کسی کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ واقعی بارش برسادیں باقی ایک گندی بارش ایک تدبیر سے بھی ہو چکی ہے اس کی نفی نہیں کرتا چنانچہ ایک حکایت میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ فرعون خدائی کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ ایک سال بارش نہ ہوئی قحط ہو گیا لوگوں نے آ کر شکایت کی کہ ہم لوگ قحط میں ہلاک ہو رہے ہیں تم کیسے خدا ہو بارش کیوں نہیں برساتے فرعون نے شیطان سے کہ کسی وقت اس سے دوستی ہو گئی تھی یہ سب قصہ کہا شیطان نے وعدہ کیا کہ کل بارش ہو گی چنانچہ اس نے سب شیطانوں کو جمع کر کے کہا کہ سب اوپر جا کر موتو چنانچہ بارش تو ہوئی لیکن بدبو کے مارے دماغ پھٹے پڑتے تھے۔ فرعون نے پوچھا کہ یہ کیسی بارش، شیطان نے کہا کہ احمق ہوا ہے

۱۔ اصلی سبب کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینکا جائے گا ۲۔ چھٹکارا

جیسا تو خدائے باطل ہے ویسی ہی تیری بارش ہے اور جیسے وہ خدائے حقیقی ہیں اسی طرح کی ان کی بارش ہے۔

دجال کا استدراج[1] اور اس کے بطلان کی کھلی علامتیں

اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ دجال جہاں چاہے گا بارش ہو جائے گی تو یاد رکھو کہ اس سے بارش کا اس کے قبضہ میں ہونا لازم نہیں آتا یہ استدراج ہے اس کے چاہنے پر ابتلاءً اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگی اس کے معتقد سمجھیں گے کہ اس نے بارش کی ہے لیکن یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اس میں تو تلبیس[2] ہو جاوے گی جواب یہ ہے کہ یہ دھوکہ کی بات نہیں ہے اس لیے کہ اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا کہ جس کو پڑھا ان پڑھا سب پڑھ لیں گے اور دوسرے یہ کہ وہ کانا ہوگا اور حق تعالیٰ سب عیوب سے پاک ہیں لیکن باوجود اس کے بھی بعضے لوگ گمراہ ہو جاویں گے اور ان دونوں علامتوں کی تاویلیں کر لیں گے میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے کہ ایک مقام پر ایک اندھے نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ساٹھ ستر آدمی اس کے ساتھ ہو گئے ایک طالب علم نے اس سے کہا کہ اگر تم خدا ہو تو اپنی آنکھیں کیوں اچھی نہیں کر لیتے کہنے لگا کہ اپنے بندوں کا (نعوذ باللہ) امتحان کرتے ہیں کہ دیکھیں کون ہماری تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب[3] کرتا ہے غرضیکہ آنکھ پھوٹی ہوئی اور ماتھے پر کافر لکھا ہو اس سے زیادہ اور کیا دلیل اس کے بطلان کی ہوگی یہ تو ایک موٹی بات ہے دوسرے ایک باریک بات اس کے بطلان کے شناخت[4] کی

۱۔ خلاف عادت جو بات کسی نبی سے ظاہر ہو تو معجزہ ہوتی ہے بزرگ سے ہو تو کرامت اور اگر کسی مخالف شریعت سے ہو تو استدراج کہلاتی ہے ۲۔ حق کا باطل کے ساتھ ملتا ثابت آئے گا کہ آدمی دھوکے میں پڑ جائیں گے ۳۔ کون ہمیں سچا سمجھتا ہے اور کون جھٹلاتا ہے ۴۔ اس کے باطل ہونے کی پہچان

حدیث میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس ظاہری بینائی سے اس کو دنیا میں دیکھو گے اور حق تعالیٰ کو دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ خدا نہ ہوگا۔

ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی کوئی بگڑے تو بگڑے بہر حال بارش کے متعلق کوئی تدبیر بھی نہیں کرتے اور البتہ خالی شکایتیں کیا کرتے ہیں، میاں کتنے دن ہوگئے بارش نہیں ہوئی قحط ہوگیا میں کہتا ہوں کہ اس کہنے سے کیا مقصود ہے کس کو سناتے ہو کیا یہ اللہ میاں پر اعتراض ہے یا اللہ میاں کو یا کسی آدمی کو صرف سنا رہے ہو آدمیوں کو سنانا تو ظاہر ہے کہ مقصود نہیں اس لیے کہ آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ کو بھی صرف سنانا اور خبر دینا ہرگز مقصود نہیں اس لیے کہ وہ عالم الغیب والشهادة ہے اب یہی شق[1] رہی کہ یہ اعتراض ہے اور گویا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ امر خلاف حکمت ہے ایسا نہ کرنا چاہیئے

حق تعالیٰ شانہ پر اعتراض کفر ہے

تو دیکھ لیجیے کہ حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا کیا ہوتا ہے اگر قصداً[2] ہی یہ اعتراض ہوتا تو میں اس کو کفر کہتا، لیکن اب جب کہ قصد نہیں ہے سخت بے ادبی اور گستاخی ضرور کہوں گا مجھے تو واللہ ان کلمات سے سخت وحشت[3] ہوتی ہے ہاں اگر اس جملہ خبریہ سے یہ مقصود ہو کہ دعا کرو کہ بارش ہو تو دوسری بات ہے لیکن قرائن حالیہ[4] سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مقصود نہیں اگر کہو کہ ہمارا تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا یوں ہی ہانک دیتے ہیں تو اس صورت میں یہ لغو[5] ہوا اور لغو سے بھی احتراز کرنا چاہیئے حدیث میں ہے من حسن اسلام

۱۔ ٹکڑا۔ طرف ۲۔ جان بوجھ کر ۳۔ پریشانی ۴۔ لوگوں کی حالت کے قرینہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے
۵۔ بیکار

المرء ترکہ مالایعنیہ (آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے) غرض ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ فضول اور لغو میں تو مشغول ہیں اور جو اصلی اور صحیح تدبیر ہے اس سے غفلت ہے۔

استغفار اور رجوع الی اللہ بارش کی اصل تدبیر ہے

اور وہ تدبیر وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا) اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ تدبیر بھی کی جاتی ہے چنانچہ دعائیں کرتے ہیں گناہوں سے توبہ کرتے ہیں مگر اس سے بھی کچھ نہیں ہوا تو صاحبو! جواب یہ ہے کہ خود آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تدبیر کرنے والے بہت ہی کم ہیں تو یہ کیا تدبیر ہوئی کہ ایک نے تو تدبیر کی اور زیادہ اس کی ضد اور خلاف کریں یعنی ایسے اعمال کریں کہ الٹا اثر ہو اور اثر غالب ان ہی لوگوں کا ہوتا ہے جو زیادہ ہوں چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا انھلک وفینا الصلحون (کیا ہلاک کردو گے حالانکہ ہمارے درمیان نیک آدمی بھی ہیں) تو حضور ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا نعم اذا کثر الخبث پس جب زیادہ ہوں تدبیر کے مرتکب[1] ہیں تو باوجود بعض قلیل کے تدبیر کرنے کے مصائب کا نزول کیا محل شبہ رہا باقی یہ بات کہ ان صلحاء پر تو وہ مصیبت نہ آنا چاہیئے سو بعض حکمتوں سے عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس حالت میں دنیا میں جو مصیبت آتی ہے اس میں سب ہی شریک ہوتے ہیں ہاں آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے موافق محشور[2] ہوں گے اور دنیا میں بھی وہ شرکت ظاہری حقیقت میں رحمت ہی ہوتی ہے سو بعض

۱۔ جب زیادہ لوگ میری تدبیریں اختیار کرتے ہوں تو تھوڑے سے لوگوں کے تدبیر کرنے سے کیا ہوتا ہے ۲۔ جمع کیے جائیں گے

صلحاء کے اعتبار سے تو یہ جواب ہے اور بعض صلحاء کے اعتبار سے دوسرا جواب ہے۔

اس زمانہ کے اکثر صلحا مداہن ہیں

وہ یہ کہ اس زمانہ کے بعض صلحاء بھی منکرات کو دیکھتے دیکھتے مداہن[1] ہوگئے اب جو لوگ علماء اور اتقیاء اور صلحاء کہلاتے ہیں باستثنائے خواص[2] اہل اللہ کے اکثر کی کیفیت یہ ہے کہ نافرمانی کرنے والوں سے ان کو انقباض[3] نہیں ہوتا بے تکلف میل جول کھانا پینا شادی بیاہ مرنے جینے میں شرکت اہل معصیت[4] کی کرتے ہیں میں نے سنا ہے کہ یہاں لوگ کوکین[5] بہت کھاتے ہیں مگر کوئی ایک ہی شخص بتلادیجیے کہ اس نے اپنے کسی عزیز کو صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا ہو کہ وہ کوکین کھاتا ہے برابر ملتے جلتے ہیں۔ کسی طرح کی رکاوٹ نہیں

غدر[1] میں جس نے باغیوں کو پناہ دی سرکار کے نزدیک وہ بھی مجرم شمار ہوا جس کے ہم وفادار ہوں گے تو یہ وفاداری کی بات نہیں ہے کہ اس کے دشمنوں سے ملیں۔ پس اگر صلحاء کہیں، ہیں بھی وہ بہت تھوڑے۔ زیادہ تعداد تو ایسے ہی لوگوں کی ہے جو نافرمانی میں مبتلا ہیں ہاں کوئی یہ ثابت کرے کہ بستی کی بستی صالح ہو اور پھر وہاں بلائیں اور امراض اور قحط ہو سو یہ بہت مشکل ہے صلاحیت اور تقویٰ تو بڑی چیز ہے اس کا تو اثر ہی دوسرا ہے برائے نام ہی کوئی تھوڑی دیر کے لیے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر دیکھ لے کہ کیا رحمت ہوئی۔

صلوٰۃ استسقاء کی برکت

دیکھو استسقاء کی دو ہی رکعت ہیں جو بہت سے بہت دس منٹ میں ہو جاتی ہیں لیکن باستثنائے[2] شاذ و نادر کے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ مؤثر نہ ہوں۔ جب کبھی پڑھی گئی ہیں بارش ضروری ہوتی ہے کوئی رجوع ہو کر دیکھے تو۔

مقام سندیلہ کی نماز استسقاء کا قصہ

سندیلہ ایک مقام ہے وہاں ایک مرتبہ امساک باراں[3] ہوا قحط ہو گیا مخلوق بہت پریشان ہوئی۔ استسقاء کی نماز کئی روز پڑھی گئی بارش نہ ہوئی وہاں کے رؤساء کے پاس بازاری[4] عورتیں آئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ صاحبو! یہ سب ہماری بد اعمالی کے نتیجے ہیں ہم تباہ کار سیہ رو[5] ہیں ہماری نحوست سے تم کو بھی یہ پریشانی ہوئی ہم کو اجازت دے دیجیے کہ ہم بھی میدان میں جمع ہو کر توبہ

۱۔ غدر کے دنوں میں یعنی تحریک آزادی کے زمانہ میں ۲۔ کبھی کبھار کے علاوہ ۳۔ بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا ۴۔ رنڈیاں ۵۔ تباہی پھیلانے والیاں سیاہ چہرے والیاں اعمال کی سیاہی مراد ہے

کریں لیکن جب ہم جمع ہوں تو ایسا انتظام کردیجیے کہ وہاں جنگل میں کوئی شخص ہمارے پاس نہ آوے ایسا نہ ہو کہ بجائے رحمت کے اور زیادہ غضب نازل ہو۔ چنانچہ انتظام کردیا گیا اور وہ سب وہاں گئیں اور سجدے میں پڑ کر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے اللہ یہ ہماری نحوست ہے ہم بہت گنہ گار ہیں ہم بہت سیہ رو ہیں ہماری وجہ سے مخلوق کو پریشان نہ کیجیے اور جو جو کچھ بن سکا حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا حق تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے ناقل اس حکایت کے یوں کہتے تھے کہ انہوں نے سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارش شروع ہوئی اور خوب ہوئی مولانا فرماتے ہیں۔

ما بروں را ننگریم وقال را

ما دروں را بنگریم وحال را

(ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن اور حال کو دیکھتے ہیں)

یعنی ہم ظاہر کو اور الفاظ کو نہیں دیکھتے اگر الفاظ لمبے چوڑے باضابطہ ہوں لیکن خشک ہوں دل میں کچھ نہ ہو حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا کچھ مرتبہ نہیں ہم تو دل کو اور مال [1] کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلادیا کہ تقویٰ طہارت پر کسی کو ناز نہ ہو ہمارے دربار میں تقویٰ طہارت جب ہی مقبول ہے جبکہ اس میں عبدیت اور خشوع خضوع ہو اور خشک تقویٰ ہمارے دربار میں قابل قدر نہیں ہے۔

موضع لوہاری کی صلوٰۃ استسقا کا قصہ

موضع لوہاری میں ایک مرتبہ اسی طرح امساک کی وجہ سے [2] مسلمانوں نے استسقاء کی نماز کی تیاری کی۔ بنیے دیکھ کر کہتے تھے کہ اب کے تو بارش ہے ہی نہیں یہ فضول کوشش کر رہے ہیں مسلمانوں نے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو ان کے

۱۔ انجام ۲۔ بارش نہ ہونیکی وجہ سے

سامنے ذلیل نہ کرابھی دعا ہی میں مشغول تھے کہ بارش شروع ہوئی۔ وہی بنیئے کہنے لگے کہ یہ مسلّے (مسلمان) رام جی کو بہت جلدی راجی (راضی) کرلیں ہیں۔ پس جبکہ باوجود ہماری اتنی کوتاہیوں کے تھوڑی سی توجہ میں بھی رحمت ہوجاتی ہے تو اگر ہم پوری اپنی اصلاح کرلیں اور دل سے توبہ اور رجوع الی الحق کریں تو کیسے رحمت نہ ہوگی۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(کوئی شخص ایسا نہیں کہ عاشق ہوا ہو اور محبوب نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو اے صاحب (تمہیں) درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے)

پس یہ فرض محال ہے کہ ہم سب نیک ہوں اور بارش نہ ہو!

کامیابی کی حقیقت

اور بالفرض اگر نہ بھی ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی۔ اس کو ناکامی کہنا کامیابی کی حقیقت نہ جاننے سے ہوا ہے۔ میں کامیابی کی حقیقت بتلاتا ہوں اس سے ناکامی کا علم ہوجائے گا۔ صاحبو روپیہ مل جانا۔ ارزانی کا ہونا۔ روٹی کا ملنا۔ ہر شئے کا حسب دلخواہ[۱] ملنا لوگ اس کو کامیابی کہتے ہیں یاد رکھو یہ کامیابی کی صرف صورت ہے۔ کامیابی کی حقیقت نہیں چنانچہ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ چیزیں اپنی ماہیت[۲] میں کامیابی نہیں ہیں۔ دو شخص فرض کیے جاویں ایک شخص تو ایسا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ اس کی ملک میں ہے اور جائیداد ہے نوکر چاکر غرض سب سامان دنیا کا اس کو میسر ہے لیکن اس پر

۱۔ ہر چیز کا دل چاہنے کے مطابق ملنا ۲۔ حقیقت

ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہو گیا اور اس میں پھانسی کا حکم ہو گیا۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جو اسی کے پڑوس میں رہتا ہے جس کی اوقات یہ ہے کہ وہ ۸[1] کا مزدور ہے۔ مزدوری کی اور کھا کر اپنے بیوی بچوں میں سو رہا۔ یہ امیر آدمی ہمیشہ اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اگر آج اس امیر کو یوں کہا جاوے کہ تم کو ایک صورت سے خلاصی ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنا سارا سامان اس شخص کو دے دو بجائے تمہارے یہ اس جرم کا اقرار کرلے گا اور اس کو پھانسی ہو جاوے گی اور تم بچ جاؤ گے مگر اس کے بعد ناداری سے تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسی اس شخص کی ہے تو وہ امیر یقیناً یہی کہے گا کہ اس سامان کی کیا حقیقت ہے اگر اس سے دونا بھی میرے پاس ہو اور وہ دے کر میری جان بچے تو میں راضی ہوں، اور اگر اس غریب کو کہا جائے کہ تم کو اتنا روپیہ اور سامان ملتا ہے لیکن تمہاری جان لی جاوے گی وہ کہے گا کہ جب میری جان ہی گئی تو میں اس سامان کو لے کر کیا کرونگا۔ سو صاحبو! اگر یہ روپیہ اور جائیداد اور مکانات ہی کامیابی اور مقصود اصلی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج ان کو وہ شخص کامیابی کیوں نہیں سمجھتا اور ان کے دینے پر کیوں راضی ہے اور وہ غریب آدمی کیوں ان کے لینے پر راضی نہیں ہوتا۔

مال و جائیداد کامیابی کی صورت ہے

پس معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں کامیابی کی صورتیں ہیں حقیقت کامیابی کی اور شے ہے وہ کیا ہے، راحت قلب چونکہ مال سے راحت ہوتی ہے اس لیے وہ مقصود ہے بالذات[2] مقصود نہیں ورنہ ہر حالت میں مقصود ہوتا۔ چنانچہ اس واقعہ نے

۱۔ آٹھ آنے روز کی مزدوری کرتا ہے ۲۔ اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ذریعہ کے اعتبار سے مقصود ہے کہ ذریعہ راحت ہے

ثابت کردیا کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم (جو کچھ ہم نے گمان کیا واقع میں غلطی تھی)۔

اصلی مقصود راحت قلب ہے

پس بڑی چیز اور اصلی مقصود راحت قلب ہے اسی واسطے وہ دو لاکھ روپیہ دینے پر بے تکلف اور دل سے راضی بلکہ مصر ہے اور وہ آٹھ آنے کا مزدور ان پر تھوکتا بھی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم اس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ راحت اور سکون حقیقی جو حقیقت ہے کامیابی کی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے پس اس لیے میں نے کہا تھا کہ اصلاح و تقویٰ کے اختیار کرنے کے بعد اگر بارش وغیرہ بھی نہ ہو اور ظاہراً مصیبت بھی دور نہ ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی۔ اس حالت میں بھی کامیابی ہی ہے اس لیے کہ اس شخص کو اس مصیبت میں بھی پریشانی نہ ہوگی راحت اور سکون ہی ہوگا۔ اور یہ نرا[1] دعویٰ ہی نہیں ہے کہ راحت منحصر ہے اطاعت میں۔

اہل طاعت کی حالت کا مشاہدہ کرلیجیے کہ ان کو کوئی شئے[2] پریشان نہیں کرتی انکا قلب ہر وقت مطمئن ہے اور جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتا ہے وہ اس پر دل سے راضی ہیں خواہ وہ نعمت ہو یا نقمت (مصیبت) ہو ارزانی ہو یا گرانی، بارش ہو یا نہ ہو اور وہ اسی کو دل سے کامیابی سمجھتے ہیں پس یہ ثابت ہو گیا کہ اگر سب نیک ہوں اور پھر بھی بارش نہ ہو تب بھی اس کو ناکامی نہ کہیں گے بلکہ وہی عین کامیابی ہے اس لیے کہ قحط اور امساک باراں اسی وقت مصیبت ہے جبکہ اس سے پریشانی ہو اور جبکہ وہ ہر حالت میں راضی ہیں تو ان کے لیے یہ مصیبت ہی نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب اگر اصلاح کرلیں تو اس کا کہنا ہی کیا ہے اگر

۱۔ صرف ۲۔ چیز

ایک شخص بھی اپنی اصلاح کرلے تو وہی کامیاب ہوجائے گا اس کو ہرگز پریشانی نہیں رہے گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جو راحت ہے وہ کسی شئے میں بھی نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی محبت کا اثر

اور محبت وہ شے ہے کہ تمام تلخیوں کو شیریں کردیتی ہے اور حق تعالیٰ کی محبت میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا مجازی عشق میں یہ اثر ہوتا ہے کہ تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے مثلاً کسی پر عاشق ہو اور آپ چلے جا رہے ہوں کہ پیچھے سے کسی نے ایک گھونسہ بڑی زور سے ایسا رسید کیا کہ بڑی تکلیف و اذیت ہوئی پیچھے پھر کر جو دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ گھونسہ مارنے والا وہ شخص ہے جس کے دیکھنے کی برسوں سے تمنا تھی اور غیبت[1] میں جس کا نام لے کر دل کو تسلی دیا کرتا تھا جیسے ایک حکایت ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلے می کنم — خاطر خود را تسلی می کنم

(کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے کہ ریت پر انگلی سے کسی کو خط لکھ رہا ہے پوچھا اے مجنوں کسے خط لکھ رہے ہو کہنے لگا کہ لیلے کے نام کی مشق کرکے اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)

جس کا نام ہی بجائے مسمیٰ کے تھا اب وہ سامنے جلوہ افروز ہے اب آپ ہی

۱۔ اس کی غیر موجودگی

انصاف کیجیے کہ اس حالت میں کیا اس گھونسہ کی اس کو تکلیف ہوگی۔ اگر عشق میں سچا ہے تو یوں کہے گا کہ ایک گھونسہ نہیں تم میرے دس گھونسے لگالو مگر میرے سامنے رہو جسم کو تو اس سے تکلیف ضرور ہوگی لیکن قلب تو یہی کہے گا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے)

اور یہ کہے گا۔

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من

دل فدائے یار دل رنجانِ من

(تیرا ناخوش ہونا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے ایسے محبوب پر دل قربان ہے جو میرے دل کو رنجیدہ کرنے والا ہے)

اور یہ کیوں ہے محض اس لیے کہ یہ محبوب کی جانب سے ہے۔ ع

از محبت تلخہا شیریں بود

(محبت میں تلخیاں بھی شیریں ہیں)

جب مخلوق کی محبت میں یہ حالت ہے تو۔

عجب داری از سالکان طریق | کہ باشند در بحر معنی غریق
خوشا وقت شوریدگان غمش | اگر ریش بینند وگر مرہمش
گدایانے از بادشاہی نفور | بامیدش اندر گدائی صبور
دمادم شراب الم در کشند | دگر تلخ بینند دم در کشند

(تو سالکان طریق سے جو کہ حقیقت کے دریا میں غریق ہیں تعجب کرتا ہے اس کے

غم میں پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر غم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اور اس کی امید پر فقیری میں کرنے والے ہیں ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

جبکہ تمہارے جیسا آدمی جو تمہاری مثل خون اور کھال اور گوشت پوست[۱] سے بنا ہے تمہاری یہ حالت بنا دیتا ہے تو صاحبو! محبوب حقیقی کے عشق میں تو یہ اثر کیسے نہ ہوگا پس کوئی شخص یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ بعد اصلاح کے بھی ناکامی ہوتی ہے۔

اہل اللہ کے مصائب میں پریشانی نہ ہونے کا سبب

رہی یہ بات کہ اگر محبوب ہی کی یہ مرضی ہو کہ مصیبت میں پھنسا رہے پھر تو کامیابی ہونا اور مصیبت سے نکلنا ممکن ہی نہیں تو پھر کامیابی کدھر سے ہوئی۔ بات یہ ہے کہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ ان کو اطمینان اور چین اور سکون ہر وقت رہتا ہے اس کا نام میں نے باعتبار حقیقت کے کامیابی رکھا ہے میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مصائب ان پر نہیں آتے مصائب صوریہ[۲] آتے ہیں مگر اس سے وہ پریشان نہیں ہوتے از جا رفتہ[۳] نہیں ہوتے اور کیوں ہوں اس لیے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ کے واسطے وہی کرتے ہیں جو اس کے لیے بہتر ہو حق تعالیٰ کو ماں سے زیادہ شفقت ہے۔

طفل می لرزد ز نیش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شادکام

۱۔ چمڑے ۲۔ شکلاً مصیبتیں آتی ہیں ۳۔ بے قرار

(بچہ نشتر لگوانے سے لرزتا ہے مگر مشفق ماں اس سے مطمئن اور خوش ہوتی ہے)

خدا تعالیٰ ان کو مریض رکھیں یا تندرست مفلس رکھیں یا امیر مگر ان کو ذلیل اور پریشان نہیں کرتے اس کے خلاف کہیں بتلاؤ تب شبہ کی گنجائش ہے بہر حال ثابت ہوگیا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کی تدبیر حقیقی صرف اطاعت کاملہ[۱] ہے پس اس تدبیر کو اختیار کرو اور دین کی طرف توجہ کرو اور اس کے طریقہ سے توجہ کرو۔

دین کی طرف صحیح طریق سے متوجہ ہونے کی ضرورت

بہت لوگ اس کے متعلق بھی غلطیوں میں مبتلا ہیں یعنی اگر دین کی طرف آتے ہیں تو نئے رنگ سے اور جو اس کا اصلی طریق ہے اس طریقہ پر نہیں چلتے۔ مثلاً کسی بزرگ سے کہتے ہیں کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر کیجیے کہ گناہ مجھ سے نہ ہوں۔ گویا حضرت کے پاس کوئی زنجیر ہے کہ آپ کو اس میں جکڑ دیں گے تو گویا وہ نرے بزرگ ہی نہیں بلکہ کوتوال یا داروغہ جیل بھی ہیں۔

ایک معقولی مولوی صاحب تھے ان کے ملنے کے لیے ایک خان صاحب رئیس آئے اور وہ رئیس مستاجری[۲] پر گاؤں لیا کرتے تھے مولوی صاحب نے پوچھا خانصاحب گاؤں کا انتظام کس کے سپرد کر آئے خانصاحب نے فرمایا کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا آہا ہم تو یہ سمجھا کرتے تھے کہ بڑے پیر صاحب نرے ولی ہیں معلوم ہوا کہ وہ گاؤں کے پدبان[۳] بھی ہیں۔ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب بڑے گستاخ تھے اور واقع میں گستاخ وہ خانصاحب تھے کہ بڑے پیر صاحب کو انہوں نے ایسے لغو کام کا سمجھا تو ایسے ہی ہمارے بھائی اول تو دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اگر کچھ ضروری

۱۔ اللہ کی مکمل فرمانبرداری ۲۔ ٹھیکہ پر ۳۔ داروغہ

شوق ہوتا ہے تو ایسی بے ہودہ فرمائشیں کرتے ہیں۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت اپنے سینہ میں سے کچھ دیدیجیے گویا ان کے پاس کوئی پڑیہ ہے کہ وہ اس میں سے تم کو بھی دیدیں گے ایک بزرگ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ جس کے سینہ میں سے تم مانگتے ہو یہ دیکھو کہ اس کے سینہ میں کیونکر آیا۔ برسوں مجاہدے کیے محنتیں کیں خدمتیں کیں اپنے حظوظ نفسانیہ[1] پر خاک ڈالی جب کچھ ملا سو تم بھی اسی طرح کرو۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے)

بڑے بڑے سفر سے مراد مجاہدے اور مشقتیں ہیں اتنے مجاہدے کے بعد خامی گئی۔ غرض یہ زرا خبط[2] ہے بعضے دانشمند ایسے لوگوں کا علاج بھی کردیتے ہیں، جیسے ایک ظریف سیاح شاہ صاحب کی نسبت ایک خانصاحب کو خیال ہوگیا کہ یہ کیمیا جانتے ہیں آئے اور بات شروع ہوئی۔ خانصاحب! السلام علیکم۔ شاہ صاحب و علیکم السلام۔ خانصاحب۔ شاہ صاحب میں نے سنا ہے آپ کیمیا جانتے ہیں۔ شاہ صاحب ہاں جانتے ہیں۔ خانصاحب۔ ہم کو بھی بتلادو۔ شاہ صاحب۔ نہیں بتلاتے تمہارے باوا کے نوکر ہیں، پھر تو خانصاحب کو اور بھی زیادہ اعتقاد بڑھا اور منت کرنے لگے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ خانصاحب جس طرح ہم نے

۱۔ دلی خواہشات پر مٹی ڈالی ۲۔ خام خیالی

سیکھی ہے اس طرح سیکھو خدمت کرو پاؤں دباؤ حقے بھرو جو ہم کھلادیں وہ کھاؤ اور جو ہم کہیں وہ کرو۔ اگر کبھی مزاج خوش ہوگا اور دل میں آجاوے گا بتادیں گے۔

خانصاحب راضی ہوگئے رات ہوئی شاہ صاحب نے کچھ گھاس پھونس ابال کر خانصاحب کے سامنے رکھ دیا۔ خانصاحب نے ایسا کھانا کب کھایا تھا ذرا ناک چڑھانے لگے۔ شاہ صاحب نے کہا ابھی تو اول ہی منزل ہے جب خان صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو کیمیا سے عمر بھر کے لیے توبہ کی۔

صاحبو! خدمتیں کرو۔ محنتیں کرو خدا تعالیٰ فضل فرمانے والے ہیں۔ طلب کا تو یہ حال پھر چاہتے ہو کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مل جائے تو یہ طریق بزرگ کے متعلق کلام تھا۔ اب اس کے ثمرات کے متعلق لیجیے کہ۔

خواب بزرگی ثمرات میں سے نہیں

بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آگیا بس یہ بزرگی ہے اور اگر خواب بند ہوگئے سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی۔ میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں میں تو جواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کردوں محبوب حقیقی کا غلام ہوں اسی کی باتیں بیان کرتا ہوں)

جو دریافت کرو بیداری کی حالت پوچھو۔ خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سور کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرہ برابر تم کو بعد نہیں ہوا اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ

ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا۔ بہر حال کام کرو کام کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہے ہاں سینہ میں تو بلغم ہے وہ تم کو دے دیں گے۔

بزرگوں کی مجلس میں دنیا بھر کی خبریں سنانا لغو حرکت ہے

اور بعضے لوگ اس طرح دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا لے کر بزرگوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جاویں گے اور ان کا وقت بھی ضائع کریں گے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے۔ روم میں یہ قصہ ہوا۔ روس میں واقعہ ہوا۔ صاحبو! تم کو روم روس کے قصوں سے کیا لینا ہے۔ خود تمہارے اندر ایک روم و روس ہے کہ ان میں روزانہ جنگ ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر عقل یک دم با خود آر
دمبدم در تو خزاں است و بہا

(اے بھائی تھوڑی دیر کے لیے ذرا عقل درست کر کے دیکھ خود تیرے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے)

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسر سرو سمن در آ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بچمن در آ

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو)

حکیم سنائیؒ کہتے ہیں

آسماں ہاست در ولایت جاں　　　کار فرمائے آسمان جہاں

در رہ روح پست و بالاہاست　　　کوہ ہائے بلند و صحراہاست

(ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کار فرما ہیں روح (باطن) کے راستہ میں پست و بالا (نشیب و فراز) کوہ و صحرا موجود ہیں)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وانت الکتاب المبین الذی　　　باحرفه یظهر المضمر

وتزعم انک جرم صغیر　　　وفیک انطوی العالم الاکبر

(اور تو مثل ایسی روشن کتاب کے ہے جس کے حرفوں سے مضمر باتیں ظاہری ہوتی ہیں تو اپنے آپ کو جسم صغیر سمجھتا ہے حالانکہ تیرے اندر بڑا جہان لپٹا ہوا ہے)

صاحبو! تمہارے اندر سب کچھ ہے روم بھی ہے روس بھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم روم روس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر روح و نفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تم پر تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے یہ کیا ظلم و ستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تذکرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اس سے غفلت ہو۔

ماقصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر و دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے محبت اور عشق کی باتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو)

یاد رکھو اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے۔ یہاں تو ناکامی ہو

ہی رہی ہے وہاں بھی ناکام رہو گے بہت جلدی اصلاح کر لو۔

اصلاح کا طریق

اس آیت میں اس کا طریقہ مذکور ہے اور وہ طریقہ مرکب[1] ہے دو جزو سے اور ان دونوں میں ترتیب بھی ہے اول تو یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے معافی مانگو مگر معافی مانگنا یہ نہیں کہ صرف زبان سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہہ لیا یہ تو نقل ہے معافی مانگنے کی جیسے کسی فارسی دیہاتی نے کسی واعظ سے سنا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی تو آپ فرماتے ہیں۔

بارہا کردیم و شد نماز

(ایسا ہم نے بہت مرتبہ کیا اور نماز ہو گئی)

نماز نام اٹھنے بیٹھنے کا سمجھے۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت اور مرد میں یہ رشتہ ہے ان کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ نہیں ہو سکتا۔ کہنے لگا کہ ہم نے تو کیا تھا ہو گیا۔ نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھا کہ الفاظ ایجاب و قبول کے منہ سے نہ نکل سکیں گے بس جیسی یہ نماز اور نکاح ہوا تھا ایسے ہی ہم لوگوں کا استغفار بھی ہے۔ صاحبو! ہر گناہ کے استغفار کا طریقہ جدا ہے گناہوں کو دیکھو کہ کیا ہیں۔

حقوق العباد کا استغفار

اگر حقوق العباد ہیں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کو ادا کرو ان کی معافی استغفار پڑھنے سے نہ ہو گی۔ اگر روزے نماز ذمہ پر ہیں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کی قضا

۱۔ مل کر بنا ہے دو چیزوں سے

کرو۔ اگر گناہ ہیں ان کی توبہ کا طریقہ استغفار بداومت سے پڑھنا ہے نیز توبہ و استغفار کے لوازم میں سے ہے معاصی کا ترک کرنا خواہ دینیات کے متعلق ہوں یا معاملات کے۔

آمد و خرچ کے خلاف شرع ذرائع

مثلاً آج کل اکثر لوگ آمدنی و خرچ کے طریقوں میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اس زمانہ میں آمدنی کے بہت سے طریقے خلاف شرع شائع[1] ہوئے ہیں کہ جوئے یا ربوا[2] سے خالی نہیں۔ دیوالی کی رات میں جو جوا، کھیلا جاتا ہے اس کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن آج کل سٹہ جو چل رہا ہے اس سے پرہیز نہیں کرتے ان سٹہ والوں میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ نمازی اور ڈاڑھی لمبی، ٹخنوں سے اوپر پاجامہ، ہاتھ میں تسبیح، بڑے متقی لیکن سٹہ سے ان کا تقویٰ نہیں ٹوٹتا۔ یاد رکھو یہ بالکل جوا ہے اسی طرح چٹھیاں[3] جو پڑتی ہیں یہ بھی جوا ہے اس سے بڑھ کر بیمہ کمپنیاں جو نکلی ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ ان کے تو شروع ہی میں بیم آگیا ہے (یہ لطیفہ ہے ۲ اجامع) اور شادی فنڈ اور جان بیمہ اور ایک قسم کے ٹکٹ کی تقسیم کا سلسلہ[4] یہ سب حرام و قمار جوا، اور ربوا ہیں اور ان میں سخت دھوکہ بھی ہے۔ شریعت میں کوئی معاملہ پیچیدہ نہیں اور ان طریقوں میں سخت پیچیدگی اور دھوکہ ہے۔ یہ تو آمدنی کے طریق ہیں اور خرچ کے اندر تو کچھ باک[5] ہی نہیں ہے جہاں چاہتے ہیں تنعمات[6] میں فضول سامان میں ناموری کے کاموں میں بے دھڑک خرچ کرتے

۱۔ پھیلے ہوئے ہیں ۲۔ جوئے اور سود سے ۳۔ لاٹری ۴۔ جیسے آج کل بہت سے انعامی ٹکٹ کے نام سے اسکیمیں چل رہی ہیں جیسے پرائز بانڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ ۵۔ رکاوٹ ۶۔ ناز و نعم کے فضول سامان میں نام آوری کے لیے خرچ کرنے میں

ہیں۔ سمجھتے ہیں اپنی شئے ہے [1] جس طرح چاہیں صرف کریں۔

کوکین کھانے کی خرابیاں

اور سب سے زیادہ گندہ مصرف جو اس شہر میں کثرت سے ہے کوکین [2] کھانا ہے۔ اس کوکنی سے سینکڑوں گھر برباد ہوگئے ظاہر میں تو ذرا سی چیز ہے لیکن مفاسد اس کے کثیر ہیں شیطان کا شیرہ ہے شیطان کو کسی نے کہا تھا کہ تو بڑا ملعون ہے گناہ کراتا ہے اس نے کہا میں کیا گناہ کراتا ہوں میں تو ایک ذرا سی بات کرتا ہوں لوگ اس کو بڑھا دیتے ہیں۔ دیکھو میں تم کو تماشا دکھلاتا ہوں۔ ایک دوکان پر پہنچے ایک انگلی شیرہ کی بھر کر دیوار کو لگادی اس پر ایک مکھی بیٹھی ایک چھپکلی اس پر جھپٹی اس پر دوکاندار کی بلی دوڑی اس پر ایک خریدار کا جو کہ فوجی سوار تھا کتا لپکا۔ دوکاندار نے اس کتے کے ایک لکڑی ماری۔ سوار کو غصہ آیا اس نے دوکاندار کے ایک تلوار ماری بازار والوں نے انتقام میں سوار کو قتل کر ڈالا۔ فوج میں خبر ہوئی فوج والوں نے بازار کو گھیر کر قتل عام شروع کرادیا۔ بادشاہ وقت نے دوسری فوج سے ان ظالموں کی سزا میں قتل شروع کردیا۔ ایک گھنٹہ میں تمام شہر میں خون کے ندی نالے بہہ گئے۔ شیطان نے کہا دیکھا میں نے کیا کیا تھا اور لوگوں نے اس کو کہاں تک پہنچادیا اسی طرح یہ کوکین بھی شیطان کا شیرہ ہے جب تک اپنے پاس روپیہ رہتا ہے اس کو خرید کر کھاتے ہیں جب وہ ختم ہوجاتا ہے تو اساس البیت [3] بیچ کر کام چلاتے ہیں جب وہ بھی ختم ہوگیا تو بیوی کا زیور پھر جائیداد اور گھر غرض سب اڑا دیتے ہیں۔ جب اپنا سرمایہ ختم ہولیا پھر پڑوسیوں پر صفایا شروع کردیا کسی کے برتن اٹھا لیے کسی کے یہاں نقب دے

۱۔ سمجھتے ہیں کہ روپیہ ہماری ملک ہے جہاں چاہے خرچ کریں ۲۔ افیم ۳۔ گھر کا سامان

دی آخر جیل خانہ میں چلے جاتے ہیں وہاں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں گھر رہنے میں تو کچھ فکر بھی تھی وہاں کچھ فکر ہی نہیں بعضے ایسے بے حیا ہوتے ہیں کہ جیل خانہ سے جب چھوٹتے ہیں تو کہہ کر آتے ہیں کہ ہمارا چولہا باقی رکھنا ہم پھر آویں گے۔ غرض یہ کوکنی بڑی بلا کی شئے ہے اور ہزاروں اس میں مبتلا ہیں[1] اور تعجب ہے کہ سب بلائیں اور مصیبتیں اٹھاتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹتی نہیں۔ صاحبو! جب ہمت قوی کرلی جاوے تو سب چھوٹ جاتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے باہمت مخلص مرید کا قصہ

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا مرید ہونے کے لیے آیا۔ حضرت نے کلمات بیعت کے کہ جن کا کہ حاصل معاصی سے توبہ ہے کہلادیے جب توبہ کرلی تو کہتا ہے کہ مولوی جی جب افیم سے تو توبہ کرائی ہی نہیں، حضرت نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو افیون کھاتا ہے۔ اچھا یہ بتلا کتنی کھاتا ہے جس قدر کھاتا ہو میرے ہاتھ پر رکھ دے مگر اس نے جیب میں سے افیون کی ڈبیہ نکال کر دور پھینکی کہ مولوی جی جب توبہ ہی کرلی تو اب کیا کھاویں گے گھر گیا تو دست شروع ہوئے اس نے مولانا سے کہلا کر بھیجا کہ حضرت دعا کیجو اچھا ہو جاؤں چند روز کے بعد تندرست ہو کر پھر آیا، دو روپیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیے حضرت نے بعد انکار کے اس کے اصرار سے قبول فرمالے کہتا ہے حضرت جی یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ روپیہ کیسے ہیں حضرت نے فرمایا بتلاؤ کیسے ہیں کہا افیم کے ہیں پوچھا افیم کے کیسے کہنے لگا کہ میں دو روپیہ ماہوار کی افیون کھاتا تھا جب میں نے افیون چھوڑی تو میرا نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ بچیں گے میں نے کہا

۱۔ آج کل اس کی مثل ہیروئن ہے

کہ میں تیرے لیے نہیں بچاؤں گا میں یہ دو روپیہ اپنے پیر کو دونگا۔

بظاہر لوگ اس گنوار کو اس کی گفتگو سے غیر مہذب سمجھے ہوں گے حضرت تہذیب نام لکھنؤ اور دہلی کے الفاظ کا نہیں ہے وہ تعذیب[۱] ہے تہذیب نام ہے تہذیب نفس کا جس کا بڑا شعبہ خلوص ہے جو اس گنوار میں کمال کے ساتھ حاصل تھا سو آپ نے الفاظ کو تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس گنوار میں کس درجہ کا خلوص اور تکلف اور تصنع[۲] سے کتنا دور تھا کہ جو بات تھی بلا تکلف سب کہہ دی مولانا فرماتے ہیں۔

ما بروں را ننگریم وقال را

مادروں را بنگریم وحال را

(ہم بظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے دل کو اور حال کو دیکھتے ہیں)

اور اس گنوار کی قوت علمی و عملی پر غور فرمایئے کہ کس درجہ تھی۔ قوت علمی تو فہم اس بات کا کہ نفس کے خلاف کرنا چاہیئے اور عملی قوت یہ کہ ایک دم سے ایک مدت کی عادت کو جو سالہا سال کے مجاہدہ سے بھی نہیں چھوٹتی چھوڑ دی[۳] بہرحال یہ نفس کے حیلہ حوالے ہیں جب آدمی دل سے ہمت کرتا ہے اور قصد کرتا ہے کسی کام کے چھوڑنے کا تو حق تعالیٰ ضرور امداد کرتے ہیں بس کو کین بھی ہمت کر کے چھوڑ دو۔ اسی طرح اور سب بیہودہ اخراجات ترک کردو۔ خلاصہ یہ ہے کہ آمدنی اور خرچ کے طرق کی بھی اصلاح کیجیے نیز توبہ واستغفار کا ایک شعبہ اخلاق ذمیمہ[۴] کی بھی اصلاح ہے ایک مدلول آیت[۵] یعنی اصلاح کے دو جزو میں سے ایک جزو میں تو کلام ہو چکا۔

۱۔ عذاب میں مبتلا کرنا ہے ۲۔ بناوٹ ۳۔ اور پھر حضرت کی قوت فیضان کو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ کس درجہ تھی ۱۲ جامع ۴۔ برے اخلاق ۵۔ جنپر آیت دلالت کر رہی ہے

توبہ کے لوازم

اب دوسرا جزو اصلاح کا جو آیت میں مذکور ہے یہ ہے **ثم توبوا الیه** یعنی پھر بعد استغفار کے حق تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ رجوع ہو جاؤ۔ یہ بھی توبہ کے لوازم[۱] سے ہے۔

اصلاح کا ثمر

آگے اس اصلاح کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں **یرسل السماء علیکم مدراراً**[۲]۔ یعنی تم پر بارش بہت برسنے والی بھیجیں گے۔ یہ بارش خواہ ظاہر میں ہو یا اگر ظاہر میں دیر بھی ہو گئی تو اس بارش کی روح تو ضرور ہی ہوگی اور اس کو باطن کی بارش کہنا چاہیئے یعنی قلب پر رحمت کی بارش ہو گی جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے کہ کامیابی کی غایت طمانیت قلب[۳] و راحت روح ہے **ویزد کم قوۃً الیٰ قوتکم** یعنی دوسرا ثمرہ یہ ہوگا کہ تمہاری موجودہ قوت کو بڑھا دیں گے اس وقت تو قوت مالی وجاہی[۴] ہے اصلاح کے بعد قوت قلب عطا فرما دیں گے پھر جو بھی مصیبت آوے گی وہ صورت مصیبت ہوگی اور حقیقت میں یہ حالت ہوگی کہ اس مصیبت پر ہزار راحتیں قربان کرو گے اور زبان حال سے کہو گے ع۔

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

(جو کچھ محبوب کی جانب سے پیش آئے وہ خیر ہی ہوتا ہے)

آگے ارشاد ہے **ولا تتولوا مجرمین** یعنی اعراض مت کرو مجرم ہو کر مطلق ولا تتولوا نہیں فرمایا۔

۱۔ یہ بھی توبہ کے ساتھ ضروری ہے ۲۔ سورۃ ہود آیت ۵۲ ۳۔ اطمینان قلب اور روح کی تسکین ۴۔ اور اقتدار کی قوت

تولّی کی قسمیں

اس لیے کہ تولّی[1] کی دو قسمیں ہیں ایک صورت تولّی ایک حقیقت تولّی۔ صورۃً تو یہ کہ بشریت سے غلطی ہو گئی ایسی غلطیوں سے انسان بچ نہیں سکتا۔ اور حقیقت تولّی ہوتی ہے مقابلانہ و باغیانہ تو فرماتے ہیں کہ باغیانہ تولی مت کرو یعنی باغی مت بنو اور گناہ سے تو کیسے پاک ہو سکتے ہیں لیکن اگر گناہ ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ توبہ کرلو حدیث شریف میں ہے۔ **کلم خطاون وخیرالخطائین التوابون**۔ یعنی تم سب خطاوار ہو اور بہتر خطاوار توبہ کرنے والے ہیں۔ یہ تعلیم ہے حق تعالیٰ کی اور یہ طریقہ وہ ہے کہ جس سے قومی مالی جسمی دینی دنیوی ترقی ہوتی ہے اس کو پلے باندھو[2] یاد رکھو کہ ہماری دینی دنیوی فلاح دین کے ساتھ وابستہ ہے جب کبھی اس کے خلاف ہوا ہے تنزل اور پستی اور ادبار[3] اور قحط سب ہی بلائیں مسلط ہو جاتی ہیں۔

اب حق تعالیٰ سے دعا کرو حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

۱۔ منہ پھیرنے کی ۲۔ اس پر مضبوطی سے عمل کرو ۳۔ پیچھے رہ جانا